شام کے لیے الزیدی کے دورے کے نتائج اور علاقائی صف بندیوں کی ازسرِ نو ترتیب

تحریر: استاد احمد الصورانی

(ترجمہ)

گزشتہ اکتوبر کے اواخر میں عراق کے وزیرِ اعظم علی فالح الزیدی کا دورۂ شام، اسد حکومت کے زوال کے بعد دونوں ممالک کے مابین قائم کشیدگی کے بعد، باہمی تعلقات کی ازسرِ نو ترتیب میں ایک اہم پیش رفت تھا۔ اس دورے کو علاقائی تبدیلیوں اور خطے میں نفوذ کے لیے بین الاقوامی کشمکش سے جدا کر کے نہیں دیکھا جا سکتا، اور نہ ہی اسے مسلم ممالک میں سیاسی، سیکیورٹی اور معاشی تعلقات کے نقشے کو دوبارہ ترتیب دینے کی امریکی کوششوں سے الگ سمجھا جا سکتا ہے، جن کا مقصد خطے پر اپنے تسلط کو برقرار رکھنا اور اس کے وسائل، دولت اور جغرافیائی موقع پر مکمل اختیار حاصل کرنا ہے۔

مبصرین کا ماننا ہے کہ یہ دورہ بنیادی طور پر تین اہم امور پر مرکوز تھا: سیاسی، اقتصادی اور سیکیورٹی۔ 'الحرۃ' ٹی وی اور دیگر ذرائع نے کوآرڈینیشن فریم ورک (الإطار التنسيقي) کی قیادت اور زیدی کے مقربین کے حوالے سے خبر دی ہے کہ عراق اور شام کے لیے امریکی خصوصی نمائندے ٹام باراک نے براہِ راست اس دورے کے انتظامات اور ہماہنگی کی ذمہ داری سنبھالی تھی۔ اگر یہ معلومات درست ہیں تو اس سے خطے کے ممالک کے باہمی تعلقات کو موڑ دینے میں امریکی مداخلت کا حجم واضح طور پر سامنے آتا ہے، اور ان ممالک کے سیاسی فیصلے کی حقیقی خودمختاری اور امریکی حساب کتاب و منصوبوں کے سامنے ان کے تحرکات کی تابعداری پر سنگین سوالات کھڑے ہوتے ہیں۔

سیاسی میدان میں امریکہ خطے میں طاقت کے توازن کو ازسرِنو ترتیب دینے، ایران کی تنہائی کو بڑھانے، اور عراق و بلادِ شام میں اس کے اثر و رسوخ اور کارندوں کو محدود کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ اس کے ساتھ ہی وہ مغرب سے مربوط ایک ایسے علاقائی محور کے قیام کے لیے کوشاں ہے جس میں عراق، شام اور اردن کے ساتھ لبنان کی وابستہ قوتیں شامل ہوں، تاکہ خطے کے حالات کے رخ پر اثر انداز ہونے کی ایرانی صلاحیت کو محدود کیا جا سکے۔

اس طرح یہ تحرکات محض پڑوسی ممالک کے درمیان تعلقات کی استواری کی معمولی کوششیں نظر نہیں آتیں، بلکہ بین الاقوامی اور علاقائی طاقتوں کے درمیان اثر و رسوخ کی کشمکش کے تناظر میں سامنے آ رہی ہیں۔ جہاں امریکہ خطے کے حالات کو اس انداز میں ترتیب دے رہا ہے جو اس کے اپنے مفادات کی خدمت کرے، اور وہ موجودہ حکمران نظاموں کو اپنی پالیسیوں کے نفاذ کے لیے استعمال کر رہا ہے—خواہ سیاسی معاہدوں کے ذریعے ہو، اقتصادی شراکت داریوں کے ذریعے ہو یا سیکیورٹی تدابیر کے ذریعے۔ حاصلِ کلام یہ کہ مسلم ممالک محض حساب کتاب کرنے اور اثر و رسوخ کی چھینا جھپٹی کا میدان بنے ہوئے ہیں، جبکہ امت کا اپنا فیصلہ خود کرنے اور اپنی تقدیر خود طے کرنے کا حق غصب کر لیا گیا ہے۔

اقتصادی میدان میں امریکہ شام کے راستے عراقی اور خلیجی تیل کی منتقلی کے متبادل راستے کھولنے کی کوشش کر رہا ہے، تاکہ توانائی کی فراہمی کا تسلسل برقرار رہے اور آبنائے ہرمز پر انحصار کم سے کم ہو سکے، جو ایرانی دباؤ کا ایک اہم ترین ذریعہ ہے۔ ایران کے خلاف امریکی جنگ سے پیدا ہونے والے توانائی کے بحران اور بحری نقل و حمل میں رکاوٹوں، اور ان کے نتیجے میں مرتب ہونے والے وسیع اقتصادی اثرات کے سایے میں ان راستوں کی اہمیت مزید بڑھ گئی ہے۔

زیدی اور احمد الشرع نے کرکوک-بانیاس آئل پائپ لائن کی بحالی کے منصوبے کے ساتھ ساتھ تجارتی راہداریوں اور علاقائی مواصلاتی رابطوں کو فروغ دینے پر بات چیت کی، تاکہ عراق کو بحرِ متوسط (میڈیٹرینین) کے ذریعے اپنے تیل کی برآمد کے لیے اضافی راستے میسر آ سکیں۔ اس کے علاوہ گفتگو میں تجارت، زراعت، ٹرانسپورٹ اور سرمایہ کاری کے شعبوں میں تعاون بھی شامل تھا۔

یہاں یہ سوال اٹھانا ضروری ہے: کیا ان منصوبوں کا مقصد مسلم ممالک کی حقیقی اقتصادی خودمختاری حاصل کرنا ہے، یا یہ بین الاقوامی طاقتوں اور بالخصوص امریکہ کے مفادات کی خدمت کے لیے توانائی اور تجارت کے راستوں

کی ازسرِنو تقسیم کے فریم ورک کے تحت آ رہے ہیں؟اللہ تعالیٰ نے مسلم ممالک میں جو وسائل و دولت امانت رکھے ہیں، انہیں امت کی خدمت اور اس کے مفادات کے لیے ہونا چاہیے، نہ کہ وہ بڑی طاقتوں کی کشمکش میں مہرہ بن جائیں یا خطے کی تقدیر پر ان کے اثر و رسوخ اور بالادستی کو مضبوط کرنے کے اوزار بن جائیں۔ نیز تیل کی برآمد کے راستوں کی تبدیلی، اگرچہ کچھ فوری اقتصادی فائدے فراہم کر سکتی ہے، لیکن اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ بیرونی تسلط سے آزادی مل گئی ہے، جب تک کہ اقتصادی اور سیاسی فیصلہ بیرونی اثر و رسوخ کے نظام کے تابع رہے۔

سیکیورٹی کے محاذ پر شام کی عبوری حکومت دہشت گردی کے خلاف بین الاقوامی اتحاد میں شامل ہو گئی ہے۔ اس کے علاوہ امریکی سرپرستی میں طے پانے والے سیکیورٹی انتظامات کے تحت داعش کے ہزاروں قیدیوں کو (قسد) فورسز کی زیرِ انتظام جیلوں سے عراق منتقل کر دیا گیا ہے۔ امریکہ کی کوشش ہے کہ ان فریقوں کے درمیان سیکیورٹی ہماہنگی کو وسعت دی جائے جو کل تک ایک دوسرے کے مخالف تھے، جن میں الحشد الشعبی بھی شامل ہے جو اسد حکومت کی حمایت کرنے والی نمایاں ترین قوتوں اور ملیشیاؤں میں سے ایک تھا۔

یہ بات دمشق میں زیدی اور احمد الشرع کے درمیان ہونے والے سرکاری مذاکرات سے واضح ہوئی، جہاں ایک اعلیٰ سطح عراقی سیکیورٹی وفد کے شام کے دورے کے انتظامات پر اتفاق کیا گیا، جس میں سیکیورٹی اداروں اور الحشد الشعبی کے نمائندے شامل ہوں گے تاکہ سرحدی سیکیورٹی کے امور اور تعاون و ہماہنگی کے طریقہ کار کو آگے بڑھایا جا سکے۔

یہ پیش رفت ایسے سوالات کو جنم دیتی ہے جنہیں نظرانداز نہیں کیا جا سکتا: وہ قوتیں جو خود اس تنازع کا فریق تھیں، اب مشترکہ سیکیورٹی انتظامات کا حصہ کیسے بن رہی ہیں؟! ان سمجھوتوں کی نوعیت اور مقاصد کا تعیّن کون کر رہا ہے؟ اور کیا یہ سب کچھ خطے کے عوام کے مفادات اور ان کی سلامتی کی بنیاد پر ہو رہا ہے، یا ان امریکی حساب کتاب کے مطابق جن کا مقصد تصادم کو کنٹرول کرنا اور موجودہ قوتوں کو اپنی حکمتِ عملی کی خدمت کے لیے دوبارہ استعمال کرنا ہے؟

امریکہ جس نے بین الاقوامی اتحاد کی قیادت کی اور عراق و شام میں عسکری و سیاسی مداخلت کی، وہ خطے کے عوام کی بھلائی کے لیے کام نہیں کر رہا، بلکہ وہ اپنے استعماری مفادات کے تحت تحرک کر رہا ہے اور اس بات کا حریص ہے کہ سیکیورٹی و سیاسی تدابیر کی تشکیل میں آخری بات اسی کی رہے۔ اس حقیقت سے ہٹ کر سیکیورٹی ہماہنگی کو دیکھنا، یا غیر ملکی اثر و رسوخ کو مضبوط کرنے اور مسلم ممالک کو بین الاقوامی طاقتوں کی مرضی کے آگے جھکانے کے لیے 'دہشت گردی کے خلاف جنگ' کو بہانہ بنانا ایک فاش غلطی ہے۔

یقیناً، یہ مذاکرات محض سیاسی، اقتصادی اور سیکیورٹی امور تک محدود نہیں رہے، بلکہ ان میں شام میں شیعی مزارات کے مذہبی زیارتی دوروں کی بحالی اور آسانی پر بھی بات چیت کی گئی، نیز زائرین کی سیکیورٹی اور ان کے دوروں کی سہولت کے لیے درکار تدابیر کا جائزہ لینے کے لیے ایک کمیٹی کی تشکیل پر غور کیا گیا۔

اس معاملے کو دونوں ممالک کے درمیان تعلقات کو نارمل بنانے کے ایک وسیع تر عمل کے حصے کے طور پر دیکھا جا سکتا ہے، تاکہ سابقہ دورِ حکومت کی طرز پر قائم تعلقات کے نمونوں کو دوبارہ بحال کیا جا سکے۔

نیز یہ عمل شام میں انقلاب کے حامیوں کے اندر جائز خدشات پیدا کر رہا ہے، جنہوں نے اسد حکومت کا تختہ الٹنے کے لیے عظیم قربانیاں دیں اور آمریت و بیرونی تسلط سے آزادی اور تبدیلی کے مطالبے کے ساتھ میدان میں آئے تھے۔ یہ بات ہرگز قابلِ قبول نہیں کہ ان کی قربانیاں محض ایک عارضی مرحلہ بن کر رہ جائیں، اور پھر ملک دوبارہ انہی پالیسیوں اور اتحادوں کی طرف لوٹ جائے جن کے خلاف انہوں نے قیام کیا تھا، خواہ چہرے اور نعرے بدل ہی کیوں نہ جائیں۔

انقلابات کو جن سب سے خطرناک حالات کا سامنا ہو سکتا ہے وہ یہ ہے کہ انہیں اپنے اندر جذب کر کے ان کے حقیقی مقصد اور روح سے خالی کر دیا جائے، اور صرف کچھ چہرے بدل کر اور نئے نعرے لگا کر اس سیاسی نظام کو دوبارہ زندہ کر دیا جائے جس کے خلاف وہ برپا ہوئے تھے۔ چنانچہ جب انقلابی عوام یہ دیکھتے ہیں کہ عبوری حکومت ان قوتوں اور اتحادوں کے لیے دوبارہ راستے کھول رہی ہے جو سابقہ حکومت سے وابستہ تھے، اور انہی بین الاقوامی توازنات کے مطابق تعلقات کو استوار کر رہی ہے، تو اس سے شدید مایوسی جنم لے سکتی ہے، اور اس تبدیلی کو حاصل کرنے کی لوگوں کی صلاحیت پر ان کا اعتماد کمزور ہو سکتا ہے جس کی خاطر انہوں نے خون اور قربانیاں پیش کیں۔

امت کا حقیقی مسئلہ ان ٹکڑوں میں بٹے ہوئے ملکوں کے باہمی تعلقات کی بہتری نہیں ہے جن کی سرحدیں استعمار نے قائم کی ہیں، اور نہ ہی امریکی یا ایرانی یا کسی دوسرے اثر و رسوخ کے درمیان کسی ایک کو ترجیح دینا ہے، بلکہ تمام استعماری طاقتوں کی غلامی و تابعداری سے آزادی حاصل کرنا اور امت کی خودمختاری اور فیصلہ سازی کو بحال کرنا ہے۔ اور یہ مقصد صرف ایک ایسی واقعی سیاسی وحدت سے ہی حاصل ہو سکتا ہے جو تمام مسلم ممالک کو اکٹھا کرے، امت کے مقام و مرتبے کو بحال کرے، اسلام کو حکومت، سیاست اور تعلقات کی بنیاد بنائے، اور اس شخص کی راہ میں رکاوٹ کھڑی کرے جو اسے تقسیم شدہ، وسائل سے محروم اور فیصلوں میں غیروں کا مرہونِ منت رکھنا چاہتا ہے۔

پس انقلابات کا پھل ہمارے ممالک میں استعماری اثر و رسوخ کی ازسرِنو ترتیب نہیں ہونا چاہیے، بلکہ امت کی اس کے تسلط سے آزادی کی شروعات، اس کے اتحاد و اقتدار کی بحالی، اور نبوت کے نقشِ قدم پر خلافتِ راشدہ کا قیام ہونا چاہیے، جس کے ذریعے امت اپنی عزتِ رفتہ کو بحال کرے گی، اپنے فیصلے کی مالک بنے گی اور اپنے وسائل کا تحفظ کرے گی۔